ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر عزادار حسین

ای۔ایس۔ٹی۔گورنمنٹ ہائی سکول، صابووال، سرگودھا

پاکستانی اردو ناول اکیسویں صدی میں (سیاسی تناظر میں)

Dr. Azaadar Hussain*
E.S.T G.H.S. Sabowal, Sargodha.

Pakistani Urdu Novel in the 21st Century (Political Context)

ABSTRACT:
From the beginning to the present day, the Urdu novel has set many important milestones in terms of content, style and themes. In Urdu novel, especially after the establishment of Pakistan, politics has been given special importance as a subject. Many such novels were published in the 21st century, whose themes are related to national and international political situations and events, so here only mentioning a few specific novels written in a political context. In these novels the impact of the Subcontinent partition, the events of September 11, the US-Afghan war and the partition of Bengal, as well as the attitudes of democratic and authoritarian governments are presented.

KEY WORDS: *21st Century, Urdu novel, political context, Subcontinent, September 11, US-Afghan war*

ابتدا سے عصر حاضر تک اردو ناول نے ہئیت، اسلوب اور موضوعات کے حوالے سے کئی اہم سنگ میل طے کیے ہیں۔ اردو ناول کے موضوعات میں آغاز تا حال سیاست ایک خاص موضوع رہا ہے۔ سیاست جہاں کسی ملک کے عام شہریوں کے خیالات و احسات پر اثر انداز ہونے والا موضوع ہے، وہاں ایک ادیب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلہ میں محمد م علی صدیقی لکھتے ہیں۔

> ہمارے عہد کا لہجہ سیاسی ہے، ہمیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ادیب ملک کے شہری کی حیثیت سے سیاست سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ ادیب بنیادی طور پر ترقی پسند ہوتا ہے، جس کے لیے کسی خاص پارٹی سے سند لینا یا لائیسنس یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے۔[1]

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40

اردو ناول میں خصوصاً قیامِ پاکستان کے بعد سیاست کو بطور موضوع خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی کئی ایسے ناول شائع ہوئے، جن کے موضوعات کا تعلق قومی و بین الاقوامی سیاسی حالات وواقعات سے ہے، تاہم یہاں محض سیاسی تناظر میں لکھے گئے، چند مخصوص ناولوں کا ہی تذکرہ کیا جارہا ہے۔

سیاسی تناظر میں جو پہلا ناول قابلِ ذکر ہے، وہ مرزا اطہر بیگ کا ناول غلام باغ ہے۔ عبداللہ حسین نے غلام باغ کی تکنیک کے بارے میں لکھا ہے کہ غلام باغ اردو ناول کی روایت سے قطعی ہٹ کر واقع ہوا ہے، بلکہ انگریزی ناول میں بھی یہ تکنیک ناپید ہے۔[2] غلام باغ کے مطالعہ سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ایک کیفے جو آثار قدیمہ کی وجہ سے تاریخی اور تہذیبی اہمیت کا حامل ہے اور اسی وجہ سے اس کیفے کو غلام باغ کیفے کا نام دیا جاتا ہے۔ ناول کے تمام کردار اسی کیفے پر اکٹھے ہوتے ہیں اور ساری کہانی اسی کیفے سے جنم لیتی نظر آتی ہے۔

دوسری اہم اور بنیادی چیز اس ناول کا عنوان غلام باغ ہے۔ جو اپنے اندر کئی حوالوں سے علامتی اور استعاراتی معانی لیے ہوئے ہے۔ مصنف اس عنوان کے سلسلہ میں خود لکھتے ہیں کہ

> غلام باغ اس میں ایک تو جگہ کا بھی نام ہے۔ آثار قدیمہ کے حوالے سے ایک تخیلاتی جگہ ہے۔ جس میں کھنڈرات ہیں۔ اسی میں ایک کیفے ہے۔ اس میں سارے Characters بیٹھتے ہیں۔ ایک تو یہ Place ہے غلام باغ لیکن اس کا Widest Theme اگر دیکھا جائے تو وہ یہی ہے کہ غلام باغ، آزادی اور غلامی کو بنیادی طور پر موضوع بنایا گیا ہے کہ انسان جو ہے وہ کس حد تک آزاد ہے اور اگر وہ آزاد ہے تو کیا اس کا Relation قائم رہ سکتا ہے؟ کیا دوسرے کو Dominate کرنا، کیا وہ Inevitable ہے، یہ ساری ایک سطح پر بات چلتی ہے۔ Wider Sense میں Dominance (غلبہ) دوسرے پر حاصل کرنا وہ اس کا ایک استعارہ ہے، جو کہ نام سے بھی ظاہر ہے۔[3]

عنوان میں دونوں الفاظ غلام اور باغ ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اردو ادب کے مزاحمتی ادب میں کئی علامتیں اور استعارے دیگر موضوعات کی نسبت زیادہ پُر معنی بن کر سامنے آتے ہیں۔ غلامی سے آزادی تک کی جنگ انسانی زندگی میں روزِ اول سے جاری ہے۔

برصغیر سے انگریز حکمرانوں کے چلے جانے کے بعد یہاں کے مقامی لوگوں کے خیالات، رویوں اور نفسیات پر انگریزوں کے اثرات کا ناول میں جگہ جگہ پر اظہار ملتا ہے۔ ناول کا ایک انگریز کردار ہاف مین ہے، جس کے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40
ماخذ تحقیقی مجلہ

ساتھ انگریز ہونے کی وجہ سے خاص امتیازی سلوک نظر آتا ہے اور بعض جگہ پر اس کے نام سے بھی حقارت کی جاتی ہے۔

> میں نے ہاف مین کی ہمت بندھائی کہ نواب آخر نواب ہے، اپنے سابقہ گورے آقاؤں کی نسل میں سے کسی کے ساتھ پھڈا ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا، خواہ وہ گورا جرمن ہی کیوں نہ ہو۔ ہاف مین نے کہا کہ میں تمہاری اس مابعد السامراجی منطق کو تسلیم نہیں کرتا ہوں۔ میں نے مابعد کی بجائے نو کا تقاضا کیا جو تسلیم کر لیا گیا۔[4]

یہاں پر انگریز کے جانے کے بعد بھی اس کے رعب اور دبدبے کو دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسری جانب کبیر مہدی جو کہ اس ناول کا ایک اور اہم کردار ہے، ہاف مین سے اس کی اچھی دوستی بھی ہے، تاہم وہ ہاف مین سے ایسے رویے کا اظہار کرتا نظر آتا ہے، جیسے اپنی اور اپنے بزرگوں کی غلامی کا بدلہ لے رہا ہو۔

> تم ۱۸۵۷ء میں تو نہیں رہ رہے؟ انگریز کب کا جا چکا ہے، یعنی گورا صاحب رخصت ہو چکا ہے۔ پھر تمھارا یہ رویہ ناقابل فہم ہے۔ یہاں کے سب لوگ تو تم جیسے نہیں ہیں۔ تمہارے دانش ور بھی۔ یورپی اقوام سے تمھاری نفرت ایک عجیب و غریب سا رویہ ہے۔[5]

اس نفرت کی وجہ چند نسلوں کی وہ تکلیف ہے، جو انگریز سامراج کی وجہ سے ان لوگوں کا مقدر بنی۔ اس تکلیف کے باوجود یہاں کے لوگوں میں سے چند ایک نے انگریز حکمرانوں کی خاص خدمت بھی کی، جو کہ اہل ہند کی ذہنی غلامی کا ثبوت ہے۔ سعادت سعید نے بھی یہی لکھا ہے کہ نو آبادیوں کے انسان درد دینے والوں یعنی گوروں سے اپنے امراض کی دوائیں لینے پر کمربستہ ہیں۔[6] یہ صورت حال مزید واضح ہو جاتی ہے جب کبیر مہدی ہاف مین سے کہتا ہے کہ

> تم یہاں کے روسا، یہاں کے بڑے بڑے جاگیر داروں حتیٰ کہ یہاں کی تہذیب و ثقافت کے نام نہاد علم برداروں کی کوٹھیاں دیکھ لو۔ ان کے عالی شان بنگلے دیکھ لو۔ تمھیں وہاں ایک بھی مقامی درخت نہیں ملے گا۔ ان میں سے کوئی بھی کیکر، نیم، شریں اور شیشم کو اپنے لانوں میں اگانا پسند نہیں کرتا۔ یہ کچھ مقامی درختوں کے نام ہیں۔ یہ سب تمھیں ملیں گے بس سڑکوں کے کنارے۔[7]

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40

انگریز حکمران برصغیر سے چلے گئے اور ہندستان آزاد ہو گیا، لیکن اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی ذہنی غلامی ختم نہیں ہوتی دکھائی دیتی۔ کبیر مہدی جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے وہ اسی ذہنی غلامانہ سوچ پر افسردہ نظر آتا ہے۔ وہ محرومیاں اور الجھنیں، جن کو گزشتہ نسلوں نے برداشت کیا۔ آج اور آنے والی کئی نسلیں اس ذہنی اور نفسیاتی الجھن کا شکار رہیں گی۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان غلام باغ کے بارے لکھتے ہیں۔

> مرزا اطہر بیگ کا ناول غلام باغ بہت وسیع دائرے کا ناول ہے۔ اس ناول کے بیانیے میں ماضی کی پرچھائیاں، حال کی بے ترتیبی اور مستقبل کا الجھاؤ ایک دوسرے سے متصادم دکھائی دیتے ہیں، اسی تصادم سے جو شور پیدا ہوتا ہے، وہ ہماری عصری کیفیت کا شور ہے۔ نو آبادیاتی دور سے نکلنے کے بعد چاروں طرف سے گھیرے ہوئے بڑے بڑے جال، ان میں گرفتار خلقت کا اضطراب اور انتشار میں زندگی کی معنویت کی تلاش بے ہودہ کاوشیں یہ سب کچھ اسی ناول کا پوسٹ کولونیل دائرہ متعین کرتا ہے۔[8]

بنیادی طور پر غلام باغ میں اس المیہ کا اظہار ملتا ہے کہ کہ غلام قومیں آزادی حاصل کر لینے کے بعد بھی ایک عرصہ تک غلامی کے تصورات سے آزادی حاصل نہیں کرتیں۔ غلامی کسی بھی قوم کی نسلوں تک اپنے اثرات قائم رکھتی ہے، جیسا کہ برصغیر کی اقوام انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بھی تاحال ان اثرات میں مقید ہیں۔

☆☆☆☆☆

اکیسویں صدی میں مستنصر حسین تارڑ کے ناول خصوصاً قلعہ جنگی اور خس و خاشاک زمانے سیاسی حوالے سے اہم ناول ہیں۔ ان ناولوں سے قبل بھی تارڑ نے ناولوں میں سیاست کو موضوع بنایا ہے بلکہ سقوط ڈھاکہ کے موضوع پر ان کے ناول راکھ کے بارے میں ممتاز احمد خان نے لکھا ہے کہ اس ناول کا خمیر جن دکھوں سے تیار ہوا ہے، ان میں گروہی، گھٹیا اور بے ضمیر سیاست بھی شامل ہے۔[9] اس کے بعد قلعہ جنگی بنیادی طور پر افغان امریکہ جنگ کے موضوع پر لکھا گیا ناول ہے۔ اس ناول کی ساری کہانی ایک قلعہ میں ہی جنم لیتی ہے اور اسی قلعہ کے اندر ہی اس کا اختتام ہو جاتا ہے۔ قلعہ جنگی بنیادی طور پر علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس سے مراد افغانستان ہے۔ اس علامت کا ادراک تارڑ کے انتساب سے ہی ہو جاتا ہے۔

> ان افغان بچوں کے نام جو بارودی سرنگوں کا شکار ہو کر اپاہج ہو گئے اور جو کسی فٹ بال میچ میں کھلاڑی نہیں ہو سکتے، صرف گول کیپر ہو سکتے ہیں۔[10]

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40
ماخذ تحقیقی مجلہ

اس ناول میں تمام واقعات اس قلعہ میں بند انسانوں کی زندگیوں کے گرد گھومتے ہیں، جو اپنی بقا کے لیے لڑ رہے ہیں مگر موت ان کی منتظر ہے اور ان کا مقدر بن چکی ہے۔ یہ موت سے بچنے اور زندہ رہنے کی انسانی خواہش کی غرض سے حرام و حلال کے تمام تر معاشرتی و مذہبی اصول بھول چکے ہیں۔ ناول کے ابتدا میں ہی سات مجاہدین کے مابین ایک مکالمہ اس صورتِ حال کو پیش کرتا نظر آتا ہے۔

گھوڑا ہے۔۔۔۔۔۔

کہاں

اوپر قلعہ جنگی کے صحن میں۔۔۔۔۔۔"

میں نے کہا تھا ناں کہ ہے۔۔۔ سنو۔۔۔ اگر اسے پکڑ لیں تو کھا سکتے ہیں۔

کس کو۔۔۔۔۔۔۔

گھوڑے کو۔۔۔۔۔

گھوڑا حلال ہوتا ہے؟

اگر نہیں ہوتا تو کیا تم اس کو نہیں کھاؤ گے۔۔۔۔۔۔۔

کھاؤں گا۔۔۔۔۔۔[11]

یہ کہانی چوں کہ سات مجاہدین کی ہے، جو اس قلعہ میں موجود شدید زخمی ہونے کے باوجود بھوک اور پیاس سے لڑ رہے ہیں۔ انھوں نے خود کو قلعہ کے تہہ خانے میں چھپایا ہوا ہے۔ قلعہ کے باہر لاشوں سے تعفن ان کو تہہ خانے میں محسوس ہو رہا ہے، دشمن کا خوف اور بھوک پیاس کی صورت حال میں وہ سب ایک ایسی کش مکش میں ہیں کہ اب کیا کریں؟ اسی سوچ میں ہوتے ہوئے، وہ اس گھوڑے کو کسی نہ کسی طرح مار دیتے ہیں اور اپنی زندہ رہنے کی خواہش میں حلال و حرام کا تصور بھلا بیٹھتے ہیں۔ دنیا کے ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں حلال و حرام کا تصور موجود ہے، مگر بھوک میں ہر مذہب کا انسان ان اصولوں کو بھلا دیتا ہے، اس کو یا تو بھوک کی وجہ سے موت کو گلے لگانا ہوتا ہے یا پھر حرام کھانا پڑتا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب اس کو کرنا ہوتا ہے۔ قدیم دور سے آج جدید دور تک انسان کا سب سے بڑا مسئلہ بھوک رہا ہے، خاص طور پر جنگوں سے انسانوں کے لیے بھوک، پیاس، افلاس، غلامی اور ذلت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ ناول میں روس میں پیدا ہونے والی صورت حال کو بڑے خوب صورت انداز میں تارڑ نے پیش کیا ہے۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40
ماخذ تحقیقی مجلہ

فٹ پاتھوں اور گلیوں میں بھکاریوں کی تعداد راہگیروں سے بڑھ گئی ہے کہ ریاست کی جانب سے بوڑھوں اور لاچاروں کو قلیل سہی مگر ملتی تو تھی، جو اب بند ہو گئی ہے تو کیا یہی نتیجہ درکار تھا۔۔۔۔۔ ہانگ کانگ اور بنکاک میں مقامی جسم فروشوں کا کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے کہ ان کا جسم مختصر تھا اور روسی جسم کا حجم زیادہ ہے اور قیمت کہیں کم۔[12]

روس کے ان حالات کے علاوہ افغانستان کی جنگ کا مفصل حال بیان ہوا ہے جو کہ اصل میں روس و امریکہ کی جنگ تھی۔ پاکستان کا اس جنگ میں کردار فرنٹ لائن اتحادی کا رہا۔ عوام خاموش رہی، کیوں کہ مطلق العنان حکمران ایک آمر تھا، اسلام آباد ہتھیاروں اور ڈالروں سے بھرا ہوا تھا۔ مصنف نے کسی کسی جگہ مداخلت کا اظہار کیا، جس وجہ سے خود کلامی کا عنصر ناول میں شامل ہوتا نظر آتا ہے۔

تارڑ چوں کہ ایک سفر نامہ نگار ہیں، اس لیے انھوں نے ناول کے ساتوں کرداروں سے یہ فائدہ بھی اٹھایا ہے کہ ان کے ذریعے انھوں نے سات مختلف علاقوں کی رسوم و رواج، معاشرت اور جغرافیائی خدوخال کی بہترین عکاسی کی ہے۔ اس میں کسی قسم کا مصنوعی پن نظر نہیں آتا۔

اس ناول کی کہانی اگرچہ زمانی اعتبار سے چند یوم پر محیط ہے۔ یہ سات قیدی ان لوگوں میں سے بچ جانے والے تھے، جن قیدیوں کے ہاتھ پشت پر باندھ کر قلعہ جنگی میں بم سے اڑایا جاتا ہے اور ایک لمحے میں لاشوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ تاہم ان سات زندہ بچنے والوں کی حالت ان مردہ لاشوں سے بھی بدتر ہے۔ ان سات کرداروں کے علاوہ جو گھوڑے کا کردار ہے، وہ بھی اس ناول میں اپنی اہمیت رکھتا ہے اور آخر تک اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں انیس ناگی لکھتے ہیں۔

اس مختصر سے ناول میں سارا بیان ایک گھوڑے کا ہے، جو قلعہ جنگی میں بار بار سیڑھیاں چڑھتا اور اترتا ہے۔ پس منظر میں ان جہادیوں کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں، جو پاکستان اور دوسرے ممالک سے افغان جہاد میں حصہ لینے کے لیے آئے ہوتے ہیں۔[13]

زندہ رہنے کی خواہش میں انھوں نے گھوڑے کو مار تو دیا، تاہم وہ اس کو مکمل کھا نہیں سکے، کچھ دنوں کے لیے اس گھوڑے نے ان کو توانائی پہنچائی۔ گھوڑے کو مارنے سے قبل ان کے درمیان جو مکالمہ ہوا، وہ انسانی نفسیاتی الجھنوں کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔

نہیں یار۔۔۔۔۔ ہماری طبیعت خراب ہے۔۔۔۔۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40
ماخذ تحقیقی مجلہ

ادھر ہمارے چیچنیا میں گھوڑوں کو اولاد کے برابر درجہ دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی بلند۔۔۔
اولاد کو مارنا مشکل ہوتا ہے۔۔۔۔۔
ایک عرب کے لیے گھوڑا عزت نفس ہوتا ہے۔۔۔ہم حسینؓ کو شہید کر دیتے ہیں لیکن ان
کے گھوڑے کو گزند نہیں پہنچاتے۔۔۔۔۔
آئی لوہارسز۔۔آئی کینائٹ شوٹ ہارسز۔۔۔۔۔۔۔۔۔
میں ہی کیوں؟۔۔۔۔۔تم میں سے ایک کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔[14]

یہ سات کردار ایک ہی سوال سوچتے ہیں کہ وہ اس گھوڑے کو کیوں مار رہے ہیں؟ بھوک کی شدت ان کے اس جذبے پر بھاری نظر آتی ہے اور وہ گھوڑے کو مار کر بے دردی سے خنجر سے اس کی چربی نکالتے ہیں۔ مگر اس کو مکمل کھا نہیں سکتے۔

قلعہ جنگی میں گھوڑا ایک علامت کے طور پر استعمال کیا گیا۔ گھوڑے کو مار تو دیا گیا مگر اس کو مکمل کھایا نہیں جا سکا۔ یہاں گھوڑے سے مراد افغانستان ہے اور پہلے اس گھوڑے کو روس نے کھانے کی کوشش کی اور اب امریکہ اسی کوشش میں لگا ہوا ہے کہ کسی طرح اس کو نگل جائے۔

☆☆☆☆☆

خس و خاشاک زمانے تارڑ کا ایک ضخیم ناول ہے، جو کہ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ ناول کا عنوان وقت کی طرف ایک اشارہ ہے۔ اس ناول میں تین نسلوں کا احوال بیان کیا گیا، جو ۱۹۳۰ء سے ۲۰۰۱ء کے دور کو گزارتی نظر آتی ہیں اور ہر نسل اپنے حصے کا کردار ادا کر کے چلی جاتی ہے، مگر زمانہ خس و خاشاک ہونے کے باوجود قائم نظر آتا ہے، کیوں کہ زمانہ باقی رہنے کے لیے ہی ہے۔

ناول کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جس سے ناول کی تفہیم میں آسانی کا عنصر پیدا ہوا ہے۔ پہلا حصہ گجرات کے دیہات دنیاپور کے حالات پر مشتمل ہے۔ دنیاپور میں مختلف برادریوں کے لوگ موجود ہیں۔ کہانی کے اس حصہ میں پنجاب کے لوگوں کی دیہی زندگی کی مکمل عکاسی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گاؤں کے لوگوں میں غربت اور مفلسی کے باوجود سردارانہ سوچ اور خاندانی تفاخر موجود ہے۔ اس حصے میں لوگوں کے رہن سہن، رسم و رواج، مختلف قوموں اور خاندانوں کا اندازِ زندگی پیش کیا گیا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40

ناول کے دوسرے حصے میں چند کرداروں کی معاشی زندگی کی عکاسی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امیر بخش جس کا تعلق کوٹ ستارہ سے ہے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد روزگار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اس غرض سے وہ اپنے ایک دور کے رشتہ دار خوشی محمد تھانیدار کے پاس جاتا ہے، جو اسے نوکری دلانے کی امید دلاتا ہے تو امیر بخش صبح شام اس کے دروازے پر اپنی نوکری کے سلسلے میں پہنچا ہوتا ہے۔ آخر اس سے تنگ آکر خوشی محمد تھانیدار اپنے نوکروں کو کہہ کر اس پر اپنے پالتو بولی کتے چھوڑ دیتا ہے۔ ان کتوں سے بچنے کے لیے امیر بخش دوڑ لگاتا۔ اپنی زندگی کے لیے یہ دوڑ اس پر زندگی کے کئی نئے دروازے کھولتی ہے۔

ناول کے تیسرے حصے میں ۱۱ ستمبر کے سانحے کے اثرات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس حصہ میں ناول کا ایک اہم کردار انعام اللہ نیویارک کی سڑکوں پر ٹیکسی چلاتے ہوئے نظر آتا ہے۔ انعام اللہ ایک ادیب بھی ہے۔ یہاں اپنا دوسرا ناول "ٹیکسی ڈرائیور از اے پر اسٹیٹیوٹ "لکھتا ہے، جو ناشر کے کہنے کے باوجود شائع نہیں کرواتا، جب کہ اس ناول کی اشاعت اس کے کئی معاشی مسائل کا حل بھی ہے۔ اس کے دماغ پر ۱۱ ستمبر کا سانحے نے کافی اثر ڈالا ہے، کیوں کہ جب یہ سانحہ رونما ہوتا ہے تو وہ انھی بلند و بالا عمارتوں کے درمیان ہوتا ہے اور ان عمارتوں کو ڈھیر ہوتے ہوئے خود دیکھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ کافی غمگین بھی ہے، مگر وہ اس آزاد معاشرے میں محض اس وجہ سے گھٹن محسوس کر رہا ہے کیوں کہ وہ پاکستانی اور مسلمان ہے، اس کے پاکستانی ہونے کی وجہ سے اس کا معاشرہ اس سے شدید نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کو یہ دیکھ کر اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے کہ ۱۱ ستمبر کے ساری ذمہ داری ان معصوم افغانیوں پر ڈال دی جاتی ہے، جو کئی سالوں سے خانہ جنگی کا شکار ہیں اور دو عالمی طاقتوں کی وجہ سے پتھر کے زمانے میں پہنچ چکے ہیں۔ اس سانحہ کے بعد یہ مظلوم قوم امریکہ کے ظلم کا نشانہ بنتی ہے۔

> بابل کے میناروں کے انہدام کے پورے اٹھائیس روز بعد اس ایک ملک پر۔۔۔۔ جو پہلے ہی تباہ حال اور برباد تھا مقدس امریکہ جہاد کے ثمرات تلے جھکا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا ہر بڑا شہر کھنڈر بن چکا تھا اور روس کی بچھائی ہوئی لینڈ مائینز کی بدولت ہر تیسرا بچہ اپاہج ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ بچے بھول رہے تھے کہ کیا کسی بچے کی دو ٹانگیں بھی ہو سکتی ہیں۔[15]

انعام اللہ ایک حساس دل کا مالک انسان ہے، اس زیادتی کو برداشت کرنا اس کے لیے مشکل امر ہے۔ وہ یہ سوچ کر کانپ جاتا ہے کہ کیسے چند لوگوں کے اُس جرم کی سزا پوری ایک قوم کی نسلوں کو دی جاسکتی ہے، جس جرم کی ان کو خبر تک نہیں، یہی سوچ کر وہ تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اور بعد میں امریکہ چھوڑ دیتا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40
ماخذ تحقیقی مجلہ

شباہت سے شادی کے بعد انعام اللہ اپنا ناول سپیرو آرڈیڈ کو شروع کرتا ہے، تخلیق کار معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے۔ وہ معاشرے میں ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کو دیگر انسانوں کی نسبت زیادہ محسوس کرتا ہے، تخلیق کار کسی بھی طرح سے اپنے معاشرے میں استحصالی قوتوں سے ٹکرا کر خود کو ختم کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ انعام اللہ کو بھی اس کی بیوی شباہت کہتی ہے کہ ادیب کا ہتھیار اس کے الفاظ ہی ہوتے ہیں۔ تم ان الفاظ کے استعمال سے انتقام لے سکتے ہو، جس پر انعام اللہ اس کو جواب دیتا ہے۔

> یہ بھی محض خام خیالیاں ہیں شباہت کہ ادب ظلم کا راستہ روک سکتا ہے۔۔۔۔۔ لکھے گئے حروف میں سے انصاف کے چشمے پھوٹ سکتے ہیں۔۔۔۔۔ نہیں ادب بھی خود کو بری الذمہ قرار دینے کی ایک انٹلکچول ماسٹر پیس ہے۔۔۔۔ جس سے فارغ ہو کر آپ ٹھنڈے ہو جاتے ہیں کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔۔۔۔ اور یہی تو وہ چاہتے ہیں ہم اس نوعیت کی ماسٹر پیس میں مشغول رہیں، ناول تحریر کریں، مزاحمتی ادب تخلیق کریں، رلا دینے والے مرثیے لکھیں۔۔۔۔۔۔ یوں انھیں تو کوئی گزند نہیں پہنچتی لیکن ہم اس عمل کے نتیجے میں ناتوان ہوتے چلے جاتے ہیں اور میں۔۔۔۔ انہیں گزند پہنچانا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ کیا اب تم مجھے سمجھ رہی ہو؟[16]

انعام اللہ کو ان استحصالی قوتوں خصوصاً امریکہ کا رویہ کافی بے چین کیے ہوئے ہے، وہ انسان دوستی کا جذبہ رکھنے کے باوجود اس نظام سے ٹکرانے کی خواہش رکھتا ہے کہ کوئی ایسی تخریب کاری کرے کہ اس کا بدلہ لے سکے۔ شباہت اس کو ایسا کرنے سے روکتی نہیں، بلکہ وہ خود بھی اس معاملے میں اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے مرکز سے امریکہ کی سرحد تک گاڑی میں ایک سفر طے کرتے ہیں، یہ سفر ان کو زندگی کی کچھ نئی راہیں اور جہتیں دکھاتا ہے۔

> شب کی گھٹاٹوپ سیاہی میں وہ گدھ برجیوں پر براجمان منتظر گدھ جھیل کے پار دیکھتے تھے کہ ایک ہتھیلی ہے جو استوں پیٹ کی جانب بڑھتی ہے اور وہ اپنے لامبے بھاری پر کھول کر ذرا پھڑ پھڑاتے اور انہیں بھی وہ دھک دھک سنائی دی اور وہ مطمئن ہو کر ذرا پہلو بدل کر اس بیل کے مردہ ہونے کے منتظر ہو گئے، جس کے بھاری سموں تلے کچھ مردہ چڑیاں اور بچے روندے گئے تھے۔۔۔۔۔ انعام اللہ کی ہتھیلی شباہت کے فلحال ہموار پیٹ پر اتری، اس

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40
ماخذ تحقیقی مجلہ

کے اندر ایک کونپل کی جو دھک دھک دھڑکن تھی اسے محسوس کیا۔۔۔۔ اور اس نے کہا" چلو اس دنیا کو دوبارہ آباد کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔[17]

ناول کے اس حصے میں تارڑ ایک خاص قسم کا رجائی طرزِ احساس پیدا کرتے ہیں کہ انسان نئے آدم کی تلاش میں ہے۔ انسان کے اندر ابھی تک یہ امید باقی ہے کہ ایک نیا آدم آئے گا، جو خوشی اور مسرت کا پیغمبر ہو گا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں۔

> اب جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ کیا تارڑ کے نئے آدم کے تصور سے بحوالہ انعام اللہ اور شباہت اتفاق کیا جاسکتا ہے تو پہلی بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ عام طور پر 'ادب برائے زندگی' کے حامی ناول نگاروں نے نئے سماجی، معاشی اور سیاسی سسٹم کی اپنے اپنے ماجرے کے بین السطور حمایت کی ہے تا کہ دکھوں اور غموں میں گھرے انسان کو ان میدانوں میں انصاف مل سکے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تشکیک اور خواب کے بھنور میں گرفتار ہمارے خطے کے لوگ مستقبل کے بارے میں یقین سے تو کچھ نہیں کہہ سکتے، بہتر ہے کہ ہم اسے اپنے آنے والے وقت پر چھوڑ دیں۔[18]

تخلیق کار جو مہذب دنیا سے تعلق رکھتا ہے، وہ ایک ایسی تخیلاتی دنیا کا خواہش مند ہوتا ہے، جہاں پر خوش حالی ہو، امن ہو اور انسان محبتیں بانٹتے نظر آئیں۔ تخلیق کار اس دنیا میں موجود انسانوں سے مایوس ہو چکا ہے اور اس رویے کی امید نہیں رکھتا۔ اس لیے اس کی خواہش ہے کہ ایک ایسے آدم کا ظہور ہو، جس میں آج کے انسان والی کوئی خامی نہ ہو۔ تارڑ ایسے ہی آدم کے ظہور کا خواہش مند ہے۔

ناول میں ہندوستان کی تقسیم سے قبل کے حالات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ تقسیم سے قبل شہروں اور دیہاتوں کے ماحول کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مختلف قبائل اور فرقوں بلکہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے مخلوط طرزِ زندگی کو پیش کیا گیا ہے کہ کس طرح لوگ پر امن زندگی بسر کر رہے تھے۔ گجرات کے گاؤں دنیا پور میں جاٹ برادری کے دو خاندان جو مختلف مذاہب کے پیروکار تھے، مگر خوشی غمی میں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے۔ لہنا سنگھ اور بخت جہان کی دوستی ایک بہترین مثال سمجھی جاتی تھی۔ اس طرح کے کئی واقعات مصنف نے تقسیم ہندوستان سے قبل کے پیش کیے، جن سے پیار محبت اور خلوص کا پیغام ملتا تھا۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40

ناول کی کہانی جیسے ہی آگے بڑھتی ہے تو تارڑ نے ان حالات کو تقسیم کی وجہ سے بدلتا بھی دکھایا ہے۔ اس تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی خون ریزی اور مشرقی پاکستان میں ہونے والے مظالم اور زیادتیوں کا اظہار اس ناول میں واضح نظر آتا ہے۔ سنگھ کے اپنے بیٹوں کا جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف آجانا، شباہت کی والدہ کا اجتماعی زیادتی کا نشانہ بننا، وہ تکلیف دہ انسانی المیہ ہے، جسے آج کا انسان بھی محسوس کر سکتا ہے۔ ناول میں آمروں کے رویوں کو واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح عام عوام کو بڑے بڑے معاملوں میں بے خبر رکھتے ہیں۔ جنرل نیازی کے ہتھیار ڈالنے کی تقریب اس وقت بھی لوگوں نے پر نم ہو کر دیکھی تھی ۔ ان آمروں کی بزدلیوں کو تارڑ نے بڑے طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔

> اس کے برابر میں براجمان اس کا حریف جو ابھی ابھی نہایت فرماں برداری سے اپنے رینک اتار کر میز پر رکھ چکا تھا اور اپنا پستول ان کے برابر میں رکھ کر اس شخص کی جانب دیکھتا ہے۔۔۔۔۔۔ سر سر کہاں دستخط کرنے ہیں ۔۔۔۔۔ مجھے کسی قسم کی حاجت نہیں، میرے قلم میں اتنی سیاہی بھری ہوئی ہے کہ میں ایسی ہتھیار ڈالنے والی ہزاروں دستاویزات پر دستخط کر سکتا ہوں کہ میرے قلم میں بے غیرتی کی سیاہی بھری ہے۔[19]
>
> یہ وہ لمحہ تھا جب اس اروڑے نے ایک دستاویز پر دستخط کر کے اسے سرکا کر اپنے برابر بیٹھے بونے کے آگے کیا اور قلم اس کی جانب بڑھا دیا[20]
>
> اس سے پیشتر مردہ مینڈک کی آنکھوں والے ایک جنرل نے عقیدے کے نام پر پورے ملک کو رہن رکھ لیا تھا۔۔۔۔ اور پھر آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔۔۔ یہ جنرل کبھی خود سے نہیں اٹھتے۔۔۔ ہمیشہ اٹھائے جاتے ہیں۔[21]

ناول میں مصنف نے تمام عوامل کو پیش کرنے کی کوشش کی، جن کی وجہ سے انسان انسان کے خون کے پیاسے ہوئے، گہری دوستیاں دشمنی میں بدل گئیں۔ ان عوامل میں مذہب بھی شامل ہے۔ ناولوں میں مذہب کے سلسلہ میں محمد غیاث الدین نے لکھا ہے۔

> مذہب کے لیے کوئی جان لیتا ہے۔ مذہب کے واسطے کوئی جان دیتا ہے۔ سیاست کبھی مذہب کو ہڑپ کر جاتی ہے ۔ مذہب کبھی سیاست کو اپنے پنجے میں کر لیتا ہے۔ اقتصادیات کبھی مذہب کو کمزور کر دیتی ہے اور کبھی اقتصادیات مذہب کی شاگرد بن جاتی ہے۔ تاریخ کبھی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40
ماخذ تحقیقی مجلہ

مذہب کو استعمال کرتی ہے اور مذہب کبھی تاریخ کو کھلونا بنالیتا ہے۔ ایسے عمل اور ردِ عمل کی ہزاروں کہانیاں ان ناولوں میں موجود ہیں۔[22]

ناول میں انہی حالات کو پیش کیا گیا ہے کہ کیسے سیاسی حالات نے کئی نسلوں کی زندگیوں کو متاثر کیا۔ عصر حاضر اور ماضی کو ادب میں سمونا مشکل امر ہے، اگر ادب میں پیش کیے جانے والے حالات و واقعات کا تعلق سیاست اور تاریخ سے ہو تو تخلیق کار کے لیے مشکل صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے، کیوں کہ ان معاملات پر مصنف کا اپنا ذاتی موقف ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دیگر لوگوں کا موقف اس سے اختلاف رکھتا ہو۔ تاہم کئی تخلیق کاروں نے شدید مخالفت کے باوجود اپنے موقف کا اظہار کیا اور وقت کے ساتھ اس موقف کو قبول کر لیا گیا۔

☆☆☆☆☆

پاکستانی اردو ناول میں آمنہ مفتی کا ناول آخری زمانہ ایک اہم اضافہ ہے۔ اکیسویں صدی کی ناول نگاری میں سیاسی تناظر میں بھی اس کا مطالعہ اہم ہے۔ اس میں تہوار علی خان کے خاندان کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے، جو تقسیم کے بعد صرف اس لیے پاکستان ہجرت کر کے آجاتے ہیں کہ یہاں پر اسلامی آئین کا نفاذ ہو گا۔ تہوار علی خان کا یہی خواب تھا کہ ایک ایسے ملک میں جا کر زندگی بسر کی جائے، جہاں پر اسلام کا نفاذ ممکن ہو اور یہی خواب دل میں لے کر وہ آخرت کو سدھارتے ہیں۔ ان کا بیٹا حیدر ہے، جس کی بیوی کا نام عالیہ ہے۔ ان کی ایک بیٹی راحیلہ ہے مگر حیدر عالیہ کو طلاق دے دیتا ہے اور سارہ سے شادی کرنے کے بعد امریکہ رہائش پذیر ہو جاتا ہے۔ ثمن اپنی بھتیجی کو راحیلہ کے ساتھ بھیجنے کی بجائے اپنے پاس رکھ لیتی ہے۔ ثمن کی شادی بعد میں راحیلہ کے ماموں جنید سے ہو جاتی ہے۔ راحیلہ ایک ٹی وی چینل میں ملازمت اختیار کر لیتی ہے۔ اس ٹی وی چینل کے مالک سے راحیلہ سے منسوب کچھ واقعات راحیلہ کے خاندان میں مشہور ہو جاتے ہیں۔

تہوار علی خان کا ایک ملازم باغ علی ہے، جس کے تین بیٹے ہیں۔ تہوار علی اپنے ملازم کے تینوں بیٹوں ساجد، شاہد اور خالد کو ایک مولانا کے مدرسے میں داخل کرواتا ہے، جہاں پر ان کو قرآن کا درس دیا جاتا ہے۔ خالد اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے اور اپنی پڑھائی کی بجائے زیادہ توجہ مولانا کے کاموں پر دیتا ہے اور اکثر مولانا کے گھر کے کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد خالد مدرسہ کی تعلیم کو چھوڑ کر گھر آجاتا ہے۔ بعد ازاں گھر سے بھاگ کر اپنے ماموں کے پاس چلا جاتا ہے۔ وہاں پر اس کی تعلیم سکول میں جاری ہو جاتی ہے۔ سکول میں اس کا استاد ماسٹر طارق ہوتا ہے، جس سے اس کی سکول اوقات کے بعد بھی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اس کے بعد خالد کا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40

ماخذ تحقیقی مجلہ

تعلق مجاہدین سے بنتا ہے اور وہ ان کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کی ٹریننگ لیتا ہے۔ یہاں سے ناول کی کہانی جہادی تنظیموں اور ان کی سرگرمیوں کے گرد گھومنے لگتی ہے۔ ساتھ ہی مصنفہ نے پاکستانی سیاست کو اپنا موضوع بنالیا اور بڑی خوب صورتی سے جمہوری اور آمر حکومت کے تذکرے میں لال مسجد کا حوالہ بھی دے لیا۔ لال مسجد کے مجاہدین کا تعلق القاعدہ سے بنا کر پیش کیا گیا۔ ان مجاہدین کی سرپرستی عالمی طاقتیں کر رہی تھیں اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا تھا، جب کہ مجاہدین اسلام کا نفاذ چاہتے تھے۔

بس یہ ضرب کلیم ہے، اس کے بعد اسلام آباد ہمارا ہو گا۔ واقعی اصلی معنوں میں ہمارا یہ نہیں
کہ نام اسلامی اور روح شیطانی، یہاں واقعی اسلام آباد ہو گا۔ اسلامی انقلاب زندہ باد[23]

یہ الفاظ ایک ایسی خفیہ میٹنگ میں کہے جارہے تھے، جہاں پر بین الاقوامی کم وپیش بیس مجاہدین شامل تھے ۔ خالد نے دیکھا کہ ان لوگوں میں اس کا ماسٹر طارق بھی شامل تھا۔ اس کو نہیں معلوم کے ماسٹر طارق ان لوگوں میں کب اور کیسے شامل ہوا۔ سر طارق نے خالد کو اشارہ کر کے دوسرے کمرے میں آنے کو کہا۔

ان لوگوں میں ہم دو ہی مقامی ہیں۔ پاکستانی اور ہم دونوں کو ہی علم نہیں ہے کہ اصل میں کیا ہونے والا ہے؟۔۔۔۔ اسلام آباد میں تحریک اٹھائی جائے گی، سیاسی انداز کی تحریک اور ادھر سوات کی طرف سے مسلح جتھے ان کی مدد کے لیے آئیں گے اور ان جتھوں کو طاقت کون دے گا مغربی پڑوسی حکومت، جو دراصل کٹھ پتلی حکومت ہے۔۔۔۔۔۔

مگر یہ سب کس لیے؟ کیا حاصل؟[24]

ناول کی کہانی میں بڑی خوب صورتی سے مصنفہ نے یہ بتایا کہ اسلام کے نام پر مر مٹنے اور مار دینے والے لوگوں میں سے اکثر کو اس بات کا علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کو کس مقصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ خالد اور اس جیسے کئی اور لوگ بھی سیاسی بنیادوں پر ہمسائے ممالک کے لیے کام کر رہے ہوتے ہیں، جو کہ اسلام دشمنی میں کسی حد تک بھی جاسکتے ہیں۔ ناول میں راحیلہ کا کردار بہت جاندار نظر آتا ہے، جو اکثر اپنے دادو سے سیاسی پہلوؤں پر بات کرتی نظر آتی ہے۔ ماسٹر طارق جو انڈر گراؤنڈ مجاہدین کی تحریک سے منسلک ہوتا اور ان کے لیے کام کر رہا ہے۔ خالد جس مدرسہ میں پڑھتا ہے، اس مدرسہ کا مولوی ایک مثبت سوچ رکھنے والا شہری ہے اور تہوار علی خان ان کی مدرسے کا نظم ونسق چلانے کے لیے مالی معاونت بھی کرتے ہیں۔ تہوار علی خان کی شروع سے آخر تک یہی کوشش نظر آتی ہے کہ ملک میں اسلام کا نفاذ ممکن ہو سکے۔ تہوار علی خان کے مطابق قائد اعظم نے جس مقصد کے لیے پاکستان بنایا

تھا، وہ یہی تھا کہ اس ملک میں اسلامی اصول و قوانین کو نافذ کیا جائے جو ابھی تک ممکن نہیں ہوا۔ دشمن ممالک نے اسی نظریہ کی آڑ میں لوگوں کو اس طرح سے استعمال کیا کہ خالد جیسے لوگوں کو پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کیسے ایک سیاسی جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

غلام باغ میں انگریزوں سے نفرت کرنے والے اور ان سے متاثر ہونے والے دونوں طبقوں کی نفسیات کو بیان کرنے کی ناول نگار نے پوری کوشش کی ہے، جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار اس قوم کے ذہنی غلامانہ انداز پر افسردہ نظر آتا ہے۔ قلعہ جنگی میں افغانستان کی جنگ اور اس کے اثرات کو علامتی انداز میں پیش کی گیا ہے۔ گھوڑے کی علامت کو استعمال کر کے افغانستان اور امریکہ و روس کی صورتِ حال کو پیش کیا گیا ہے۔ خس و خاشاک زمانے میں ۱۱ ستمبر کے سانحہ کے بعد کے اثرات کو واضح انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تقسیمِ برصغیر اور اس تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی خون ریزی، مشرقی پاکستان میں ہونے والے مظالم، آمروں کے ظالمانہ رویوں اور زیادتیوں کا اظہار اس ناول میں واضح نظر آتا ہے۔ ناول آخری زمانہ میں مصنفہ پاکستان کی عوام میں آئین اسلامی کے نفاذ کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اس کے حصول کے لیے تہوار علی خان جیسے مثبت انداز اپنائے کردار بھی ہیں تو دوسری جانب خالد اور طارق جیسے کردار بھی ہیں، جو اس مقصد کے حصول میں اس طرح گرفتار ہوتے ہیں کہ دشمن ان کو ذاتی آلہ کار بنالیتا ہے، جس کی وجہ سے لال مسجد جیسا سانحہ رونما ہوتا ہے۔۔ اکیسویں صدی میں تاحال کئی ایسے ناول شائع ہو چکے ہیں، جن کے موضوعات کا تعلق قومی و بین الاقوامی سیاسی حالات وواقعات سے ہے اور یہ سلسلہ سیاسی صورتِ حال کے مطابق ناول کا حصہ کسی نا کسی صورت بنتا رہے گا۔

حوالہ جات

۱.　محمد علی صدیقی، ادب اور سیاست، مشمولہ: توازن، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۰

۲.　اطہر بیگ، غلام باغ، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۰۷)، ص فلیپ　(عبداللہ حسین)

۳.　اطہر بیگ، انٹرویو، (لاہور: روزنامہ دنیا۔ جون ۲۰۱۳۔) ص ۴

۴.　اطہر بیگ، غلام باغ، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲)، ص ۴۰۵

۵.　اطہر بیگ، غلام باغ، ص ۳۳

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-40

ماخذ تحقیقی مجلہ

۶. ڈاکٹر سعادت سعید، غلام باغ سے آزادی، کبیر مہدی کا المیہ، مشمولہ: راوی: لاہور، جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء
ص ۲۷

۷. اطہر بیگ، غلام باغ، ص ۴۲

۸. اطہر بیگ، غلام باغ، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۰۷)، ص فلیپ (سہیل احمد)

۹. ڈاکٹر ممتاز احمد خان، اردو ناول کے اہم زاویے، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۹۹

۱۰. مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸)، ص ۳

۱۱. مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، ص ۵

۱۲. مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، ص ۱۱۵

۱۳. انیس ناگی، پاکستانی اردو ادب کی تاریخ، (لاہور: جمالیات، ۲۰۰۴) ص ۲۴۷

۱۴. مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸) ص ۳۸

۱۵. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰)، ص ۵۰۹

۱۶. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، ص ۶۸۶

۱۷. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، ص ۴۰۷

۱۸. ڈاکٹر ممتاز احمد خان، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، (لاہور: فکشن ہاوس، ۲۰۱۲)، ص ۳۹۴

۱۹. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، ص ۳۹۵

۲۰. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، ص ۴۰۷

۲۱. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، ص ۵۱۰

۲۲. محمد غیاث الدین، فرقہ واریت اور اردو ناول، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۵)، ص ۲۳۴

۲۳. آمنہ مفتی، آخری زمانہ، (لاہور: الفیصل، ۲۰۱۵) ص ۴۵۴

۲۴. آمنہ مفتی، آخری زمانہ، ص ۴۵۹-۴۶۰